ابو ہشام ریاض اسماعیل ۔ لاہور

دینی مدارس کے نصاب کی اصلاح

مدارس عربیہ کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اصلاح نصاب کا ہے۔ اکثر حلقوں میں نصاب کی اصلاح کے لیے کوششیں جاری رہی ہیں۔

اس حقیقت میں کوئی کلام نہیں کہ معروف نصاب "درس نظامی" اپنے دور کے حالات کے مطابق تھا اور اس زمانے کے تقاضوں کو کامل طور پر پورا کر رہا تھا۔ اس وقت کی جملہ ضروریات کے لیے یہ نصاب ہی کافی تھا۔ اس وقت دینی اور دنیوی تعلیم کی کوئی جداگانہ حد بندی اور تخصیص بھی نہ تھی۔ ریاست کا نظم و نسق سنبھالنے والے اہلکار، تجارتی کاروبار چلانے والے تجار اور ادیب وشاعر سبھی اس نظام تعلیم اور نصاب تعلیم سے تیار ہوتے تھے۔

دور حاضر کے بدلے ہوئے حالات میں سیاسی، سماجی نظام، اقتصادی و معاشی احوال، تجارتی و صنعتی کوائف، قومی اور بین الاقوامی سطح پر دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب برپا ہوا ہے۔ مدارس دینیہ میں ایک ایسی جامع تبدیلی کی ضرورت ہے جو سابق کی طرح "دین ودنیا" کی تفریق سے بالاتر ہو کر اپنے زمانے کی تمام علمی اور دینی ضروریات کو پورا کر سکے اور مسائل حل کرنے پر قادر ہو۔

نصاب تعلیم کی اہمیت

انسانی ذہن و فکر کی تعمیر، قول و فعل، فکر و عمل میں توازن اور کردار سازی میں نصاب تعلیم اور نظام تربیت سب سے موثر کردار ادا کرتا ہے۔ عقیدہ اور عمل، معاشرے کا مزاج ورجحان، حکومت کی ساخت اور تنظیم، یہ سب نظام تعلیم وتربیت کے تابع ہوتے ہیں۔

درس نظامی میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف ادوار میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ سب سے زیادہ تبدیلیاں فلسفہ، منطق اور علم الکلام کی کتابوں میں ہوئیں۔ اگر یہ تبدیلیاں قدیم صالح اور جدید نافع کے حسین امتزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی جاتیں اور ان میں مضمر حقائق اور مفادات کا ادراک بہت پہلے کر لیا جاتا تو عالم اسلام کو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔

دینی مدارس حالات میں تیز تبدیلیوں سے بے خبر رہے۔ ان میں کوئی بیداری اور حرکت پیدا نہ ہوئی۔ نئے مسائل پر نئے اور نئے سوالات کا جواب کماحقہ نہ دے سکے۔

انہوں نے نئے اقدامات کرنے کی بجائے قدامت پسندی پر ڈٹے رہنے کو کامیابی سمجھا۔ ان دینی مدارس میں معقولات کی ان کتابوں پر، جن کی ضرورت بیسویں صدی میں نہیں تھی، غیر معمولی توجہ دی گئی۔ اس پر اساتذہ کی محنت اور طلبہ کا قیمتی وقت ضائع کیا گیا۔ اس کے برعکس دینی علوم بالخصوص قرآن وحدیث پر بہت کم توجہ دی گئی جس سے ان کا تعلق تمدن و تہذیب کی لازوال قوت سے کمزور ہو چکا ہے۔ جدید افکار ونظریات سے ناواقف ہے اور نصاب تعلیم صالح اور موزوں افراد پیدا کرنے کی بجائے ایسے لوگ پیدا کر رہا ہے جن میں باہمی منافرت، فلسفیانہ مباحث اور فقہی اختلاف پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔

تبدیلی کیوں؟

۱۔ درس نظامی میں شامل بعض مضامین آج کل استعمال نہیں ہوتے۔

۲۔ عصر حاضر کی ضروریات اور مسائل حاضرہ کو حل کرنے کے لیے بعض جدید مضامین کو شامل نصاب کرنا نہایت ضروری ہے۔ خصوصاً" اقتصادیات، عمرانیات اور سیاسیات میں۔

۳۔ درس نظامی کی بعض کتابیں اتنی پرانی اور قدیم ہیں کہ وہ اپنی افادیت کھو چکی ہیں۔

۴۔ علوم و فنون کی جدید کتابوں کو شامل نصاب کیا جائے تا کہ مفید معلومات اور جدید اصطلاحات سے طلبہ کو آگاہی ہو۔

۵۔ دور حاضر کی نئی تحریکوں کو سمجھنے کے لیے اور ان کے بارے میں اسلامی نظریات قائم کرنے کے لیے مناسب کتب نصاب میں شامل کی جائیں۔

۶۔ دینی مدارس کے طلبہ میں معلومات عامہ کا فقدان شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس کی کو پورا کرنے کے لیے تاریخ، جغرافیہ، ابتدائی سائنس اور دیگر ضروری علوم شامل نصاب کیے جائیں۔

قدیم نصاب پر تنقید، جرح و قدح اور جدید نصاب کے تعین سے قبل ضروری ہے کہ ہم پہلے یہ طے کرلیں کہ اس تعلیم سے غرض اور مقصد کیا ہے۔

ان دینی مدارس میں جملہ معاشرتی ضروریات کے پیش نظر مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل افراد پیدا کیے جانے چاہئیں۔

- اسلام کے مخلص داعی
- دین کے معتدل مزاج اور صاحب بصیرت مبلغ و خطیب
- علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھنے والے محقق

- بہترین مصنف اور مولف
- علوم قدیم و عصر حاضر کے جدید مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں
- تقابل ادیان پر گہری نظر رکھتے ہوں۔

کون کون سی کتابیں اب غیر مفید ہیں

قواعد (علم الصرف اور علم النحو) اگر ممکن ہو تو فارسی میں لکھی گئی کتابوں کی جگہ ان مضامین پر اردو زبان میں تحریر شدہ کتب یا پھر آسان عربی کتب شامل نصاب کی جائیں۔ مثلاً نحو میر، زرادی، صرف میر، علم الصیغہ، میزان الصرف وغیرہ، ان کی جگہ اردو زبان میں لکھی گئی علم الصرف، علم النحو یا کتاب الصرف اور کتاب النحو شامل نصاب کی جائیں۔

نحو کی مشہور کتاب شرح جامی، اس کی جگہ شرح ابن عقیل پڑھائی جائے۔ کیونکہ قواعد (گرامر) پڑھنے کا مقصد قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے عربی زبان سیکھنا ہے۔ شامل نصاب بعض کتابیں ایسی ہیں جن کو پڑھتے وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ اس میں غیر متعلق مباحث اور تشریحات ہیں، جن کے نتیجے میں قاری نفس مضمون اور جن مقاصد کے لیے کتاب لکھی گئی ہے، اس سے دور ہو جاتا ہے۔

منطق

منطق کی کتابوں میں خاص طور پر تخفیف کی ضرورت ہے۔ منطق کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ بعض مدارس میں ایسا وقت بھی آیا کہ صرف علم منطق پر ایک طالب علم کو پندرہ پندرہ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ اور ان کتابوں میں سے بعض میں اس قدر خلط مبحث ہوتا کہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس فن کی کتاب ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فن کی کوئی ایک آسان عام فہم کتاب شامل نصاب کی جائے تا کہ طالب علم منطق کی اصطلاحات کو ذہن نشین کر لے۔ اور جب متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ کرے تو اس کو مفاہیم و معانی کا صحیح ادراک ہو سکے۔ اس لیے کہ متقدمین کی کتابوں میں یہ اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں نہ کہ یہ اصطلاحات اس قدر ذہن میں پختہ ہو جائیں کہ احتمال آفرینی کی عادت ڈال لے اور ان کو بنیاد بنا کر قرآن وحدیث کے الفاظ کا معنی و مفہوم متعین کرتا پھرے۔

فلسفہ

فلسفہ کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں لیکن قدیم کتب کی پیچیدگیاں اور بعض فرسودہ

مسائل ضرور قابل تبدیل ہیں۔ دوسرا عام رجحان یہ ہے کہ جدید فلسفیانہ تحقیقات کو بھی شامل کیا جائے اور یونانی فلسفہ کی جگہ خالص اسلامی نظریات کو بالخصوص پیش نظر رکھا جائے۔ مثلاً" میبذی' شرح چغمینی وغیرہ میں اس قدر خلط مبحث ہے اور تعقید ہے کہ طالب علم ان کو حل کرتے وقت ذہنی صلاحیت صرف کر دیتا ہے۔

ادب عربی اور عربی زبان

اس بارے میں علمائے کرام کے درمیان عموماً" یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ قدیم عربی ادب کا نمایاں حصہ شامل نصاب ہونا چاہیے تا کہ قرآن وحدیث کی زبان سے دور نہ چلے جائیں۔ البتہ جدید عربی ادب اور زبان کی تدریس بھی بہت ضروری ہے۔ ادب کی جتنی کتابیں داخل نصاب ہیں' سبعہ معلقہ' المتنبی' الحماسہ' نفحۃ الیمن' مقامات حریری' انتہا درجے کی کتابیں ہیں۔ اس میں ایسی کتابوں کی کمی ہے جو ابتدائی تعلیم کے لیے کافی ہوں جس سے سلیس عبارت کا روز مرہ کے موافق لکھنا' بولنا اور سمجھنا آجائے۔ ابتداء میں صرف ونحو کے ساتھ ایسے چھوٹے چھوٹے رسالے پڑھائے جائیں جس میں چھوٹے چھوٹے فقرے اور چھوٹی اور مختصر حکایتیں ہوں۔ لیکن یہ حکایتیں اور فقرے کسی عرب مصنف کے لکھے ہوئے ہوں۔ قرآن اور حدیث سے چھوٹے چھوٹے سلیس فقرے نکال لیے جائیں اور شعراء عرب کے کلام سے نہایت سلیس اور آسان اشعار منتخب کیے جائیں۔ اور ان کی تعلیم ابتدائی جماعتوں سے شروع کی جائے۔ نحو وصرف آتی ہو یا نہ' محض الفاظ کے معنی یاد کروائے جائیں۔ جیسے فارسی پڑھنے والوں کو ابتداء میں فارسی (گلستان) پڑھائی جاتی ہے۔

تاریخ

اس علم سے دینی مدارس کے بیشتر طلبہ محروم ہیں۔ اسلامی تاریخ سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ ماضی قریب' ملکی تاریخ' ماضی کی حکومتوں کے عروج و زوال کے اسباب جاننا تو دور کی بات۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے سیرت النبی ﷺ' سیرت الصحابہؓ کے بارے میں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

تاریخ سے مراد محض سیاسی تاریخ کا مطالعہ نہیں (اگرچہ یہ بھی ضروری ہے) اس کے ساتھ ساتھ ثقافتی اور تمدنی تاریخ پر عبور درکار ہے۔

ہیئت' ہندسہ اور طب

ان علوم کی اہمیت و افادیت واضح ہے مگر درس نظامی میں ان مضامین کی جو کتب شامل

ہیں، ان میں سے بیشتر اپنی افادیت کھو چکی ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ ان مضامین پر جدید ترین معلومات اور حقائق کو شامل کر کے اپنے علم کو تازہ اور جدید بنایا جائے۔

فقہ اور اصول فقہ

یہ علم نصاب کے اہم ترین اجزاء میں سے ہے۔ اس کے بارے میں بعض لوگ دو امور کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ایک تو وسعت نظر اور تعصب کے خاتمہ کی خاطر مذاہب اربعہ کی فقہ شامل نصاب کی جائے۔ گو یہ کام بظاہر مشکل اور طویل ہے۔

دوسرا تدوین فقہ کی طرف علماء خصوصی توجہ دیں۔ جدید مسائل کا حل اشد ضروری ہے۔

چونکہ پاکستان میں زیادہ تر لوگ فقہ حنفی کے عاملین ہیں، وہ اس کا علم رکھتے ہیں یا نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر ایسے لوگوں کے سامنے مسائل کو حدیث کی روشنی میں پیش کیا جائے تو کسی حد تک مانتے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ حدیث کی روشنی میں "فقہ السنہ" کی طرف پوری توجہ دی جائے۔ لیکن اس معاشرے میں رہنے والے دوسرے افراد کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی فقہ کی متداول کتابیں بھی پڑھائی جائیں تا کہ بوقت ضرورت ان کو کافی اور شافی جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دیا جائے۔

اصول الفقہ کی مشہور کتابیں اصول الشاشی، نور الانوار، حسامی، مسلم الثبوت مخصوص مسلک کی خدمت کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ اب اس امر کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ جمہور اہل سنت کے مذہب اور منہج کے مطابق اصول ومقررات وضع کیے جائیں۔

عقیدہ

اکثر مدارس میں متاخرین اشاعرہ کی کلامی کتابوں کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کی جگہ آج کل مدارس میں عقیدہ سلف کی تعلیم کے لیے کتاب التوحید، فتح المجید، العقیدہ الواسطیہ اور شرح عقیدہ طحاویہ داخل نصاب کی جائیں۔ یقیناً یہ کتابیں بڑی مفید ہیں، لیکن کسی غیر مسلم معاشرے میں دعوت کا کام کرنے کے لیے اور داعی کے لیے ان کتابوں کا پڑھنا کافی نہیں ہے بلکہ عصر حاضر کے فکری رجحانات، باطل مذاہب وادیان، جدید فلسفہ کے مسائل کو حل کرنے کے لیے جدید نظریات سے آگاہی بھی ضروری ہے۔

تقابل ادیان کا مطالعہ بحیثیت ایک مستقل مضمون پڑھایا جائے۔ پاکستان میں مسیحی مبلغ اور مشنری جماعتیں انتہائی منظم اور موثر انداز میں عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ اس ناگوار صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مبلغین کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔

حدیث اور علم الحدیث

دور حاضر کے پیدا شدہ مسائل کے حل کے لیے احادیث کی جدید تبویب (باب بندی) ضروری ہے۔ حدیث کے مقررات معروف ہیں۔ منکرین حدیث کے جوابات دینے کے ساتھ ساتھ جدید مسائل کے مطابق احادیث کا انتخاب کر کے باب بندی کی جائے۔

اصول حدیث مرحلہ وار پڑھائے جائیں۔ ایک دو سال میں پڑھانے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ پانچویں جماعت میں اصول حدیث کے ساتھ فقہ الحدیث، نقد الحدیث اور اس سے اگلی جماعت میں سنت کی تشریعی اہمیت، تاریخ، تدوین حدیث، علم اسماء الرجال بھی پڑھایا جائے۔

علوم القرآن

تمام علوم کی تدریس سے مقصد اصلی کتاب اللہ کو سمجھنا ہے۔ جس قدر توجہ درکار تھی، اس قدر توجہ نہیں دی جا رہی۔

قرآن مجید کی تعلیم کے لیے جلالین، بیضاوی، فتح القدیر، ابن کثیر ترتیب کے ساتھ پڑھانے کے بجائے، عربی تعلیم کے ساتھ ساتھ آٹھ دس سال میں ہر سال توحید، احکام، اخلاق وغیرہ پر منتخب موضوعات پر مشتمل مکی یا مدنی آیات، سورتوں کا انتخاب ہر مرحلہ کے طلبہ کی ذہنی استعداد، سن و شعور کے مطابق کیا جائے۔

اصلاح نصاب میں چند مشکلات کا سامنا

۱۔ نصاب میں تبدیلی کے لیے مستقل اور مضبوط بنیادوں پر کام نہیں کیا گیا۔ اس کار عظیم کے لیے ایک مستقل ادارے کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ گو اب مختلف مکاتب فکر کے ذمہ دار حضرات نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً اہل حدیث مدارس کے لیے وفاق المدارس السلفیہ کے نام سے ایک ادارہ ہے جس نے ایک متوازن اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق نصاب تیار کیا ہے۔ اور بہت سے اہل حدیث مدارس میں یہ نصاب رائج ہے۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے مدارس کا بھی اسی طرح وفاق ہے اور بریلوی مکتبہ فکر کے مدارس کا بھی۔

لیکن سب سے زیادہ تبدیلیاں اہل حدیث مدارس کے وفاق نے کی ہیں۔ اس لیے ان کا نصاب تعلیم موجودہ دینی مدارس کے نصابوں میں سے سب سے بہترین نصاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

جبکہ دیوبندی اور بریلوی مدارس کا نصاب وہی پرانا درس نظامی ہے جو کہ چند تبدیلیوں اور اضافوں کے ساتھ رائج ہے۔

۲۔ دوسری بڑی مشکل جدید علوم اور مسائل حاضرہ سے متعلق کتب کا فقدان ہے۔ عام طور پر مدارس میں اردو اور عربی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں کسی بھی فن پر لکھی گئی کتاب کو شامل نصاب کرنا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان کتابوں کا ترجمہ کر کے کسی فن کی معلومات کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ اہم کام باہمی اشتراک اور تعاون ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

کیا آٹھ سالہ نصاب تعلیم طویل ہے؟

دینی مدارس میں مدت تعلیم کے لیے مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

۱۔ مدت تعلیم آٹھ سال سے بڑھا کر نو سال کر دی جائے تا کہ مدرسے سے فارغ ہونے والا طالب علم ایم اے، بی اے کے برابر ہو جائے۔ (تعلیمی لحاظ سے)

۲۔ مدت تعلیم آٹھ سال ہی کافی ہے۔

۳۔ مدت تعلیم پانچ سال کر دی جائے۔

۴۔ حصول تعلیم کی مدت میں تعین ضروری نہیں ہے۔

مدت تعلیم کے تعین سے پہلے چند باتیں غور طلب ہیں۔ طالب علم کی اہلیت۔ داخلہ کے وقت عمر۔ گو بعض مدارس میں مڈل پاس یا پرائمری حافظ قرآن ہونا ضروری ہے جبکہ اس پر بھی سختی سے عمل نہیں کیا جاتا۔ جب تک داخلے کی عمر کا تعین نہیں ہوتا، اس وقت تک مدت تعلیم میں کمی یا زیادتی مشکل ہے۔ اس وقت تک مدت تعلیم کا تعین کافی دشوار ہے۔ عملی طور پر یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ اکثر مدارس میں بغیر کسی اہلیت کے طلبہ کو داخلہ دے دیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔

بعض اوقات ایسے طالب علم داخلے کے لیے آتے ہیں، جنہوں نے صرف سادہ ناظرہ قرآن مجید پڑھا ہوتا ہے۔ ان کو بھی ابتدائی جماعت میں داخلہ دے دیا جاتا ہے جس جماعت میں ایک میٹرک، ایف اے پاس لڑکے کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ ان دونوں کی عمر میں بھی واضح فرق ہوتا ہے اور اہلیت میں بھی۔ یہ دونوں لڑکے جب فارغ ہوتے ہیں تو ان دونوں کی عمر میں نمایاں فرق ہوتا ہے تو پھر دونوں کو اس "سند" کی بنیاد پر کس طرح ایک ہی درجہ میں رکھا جا سکتا ہے؟ اس لیے داخلے کے لیے تعلیم کی اہلیت کے ساتھ ساتھ عمر کا تعین بھی ضروری ہے۔

دینی مدارس کے معیار تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے چند تجاویز

درس نظامی کے ساتھ موزوں حد تک جدید مضامین کا اضافہ کیا جائے۔ اس تبدیلی سے مدت تعلیم کی تقسیم بھی آسان ہو جائے گی۔

درجہ ابتدائیہ: پرائمری میں ابتدائی دینی تعلیم کے ساتھ اردو، حساب، معاشرتی علوم، جنرل سائنس پڑھائی جائے۔ اس کی مدت پانچ سال ہو۔

درجہ متوسطہ: اس کی مدت دو سال ہو۔

درجہ ثانویہ: اس کی مدت بھی دو سال ہو۔

درجہ تخصص: مدت دو سال۔

مذکورہ تقسیم اور درجہ بندی پر عمل کو آسان بنانے کے لیے ہر دینی مدرسے کے ساتھ پرائمری درجہ تک سکول قائم کیے جائیں۔ اس مرحلہ تک نصاب تعلیم میں فرق بالکل ختم کر دیا جائے۔ البتہ دینی مدارس کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی ضروریات کے مطابق تبدیلیاں کر سکیں۔

ان مراحل میں دینی مدارس اپنی صوابدید پر سائنس، ریاضی اور عمرانی علوم کے مضامین شامل کر سکیں۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ طالب علم کی مدرسے میں مدت قیام یقینی نہیں ہوتی۔ اس لیے بعض اوقات بہتر مستقبل کی تلاش میں تعلیمی سلسلہ کو چھوڑ دیتا ہے۔

داخلہ کے خواہش مند طلبہ میں چونکہ عمر اور تعلیم کا فرق ہوتا ہے اس لیے اس مشکل کے پیش نظر مختلف مراحل کے لیے مختلف کورسز شروع کیے جائیں۔ ہر کورس (نصاب) کی

مدت تعلیم مختلف ہو۔ آنے والے ہر طالب علم سے داخلے کے وقت پوچھ لیا جائے کہ وہ کس کورس میں داخلہ لینا چاہتا ہے۔

ان تمام کورسز میں داخلے سے پہلے ایک مرحلہ ابتدائیہ ایسا ہو جس مرحلہ سے ہر طالب علم گزرے جو کسی بھی کورس سے داخلہ لینا چاہتا ہے۔

دنیاوی علوم میں کسی بھی شعبہ میں تخصص کے لیے کم از کم مدت تعلیم سولہ سال ہے۔ تب کہیں جا کر طالب علم کو ایم اے کے برابر ڈگری دی جاتی ہے۔ مدارس کی سند کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے ایم اے کے برابر قرار دیا گیا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آٹھ سالہ مدارس کی مدت تعلیم بہت کم نظر آتی ہے۔ اس لیے دینی مدارس کی تعلیمی مدت کا موازنہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ درست نہیں۔ دنیاوی تعلیم میں تخصص کے لیے ایک طالب علم کو کم از کم مڈل تک عمومی تعلیم دی جاتی ہے اور سب کے لیے ایک ہی تعلیمی نصاب ہوتا ہے۔ میٹرک سے تخصص شروع ہو جاتا ہے۔ میٹرک سائنس کے ساتھ اور جنرل سائنس کے ساتھ، انٹر میں میڈیکل، نان میڈیکل اور آرٹس گروپ بن جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ بی اے تک جاری رہتا ہے اور تمام گروپ ایک ہی تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم ہوتے ہیں لیکن شعبے اور کورسز مختلف۔ دنیاوی علوم و فنون کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ کثرت علوم و فنون اس بات کی متقاضی ہے کہ ہر شعبے کے لیے ایک تخصص جدا جدا ہو۔ مثلاً" ڈاکٹر، انجینئر، اکاؤنٹنٹ وغیرہ۔ جب کہ دینی مدارس میں اس قدر شعبوں کی تقسیم ممکن نہیں۔ مدرسے سے فارغ ہونے والا طالب علم بیک وقت خطیب، عالم، مبلغ، مدرس اور امام ہوتا ہے۔ مدرسے کی تعلیم میں اس قدر تنوع اور جامعیت ہے اور یہ مطلوبہ استعداد پیدا کرنے کے لیے بعض اوقات آٹھ سالہ کورس بھی کم نظر آتا ہے۔ گو ان مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے طالب علموں کی اہلیت اور قابلیت مختلف ہوتی ہے مگر ان کو یہ سب کام کرنے پڑتے ہیں کیوں کہ یہ ہماری معاشرتی اور دینی ضرورت ہے۔

دوسرا مسئلہ امت مسلمہ کو صالح قیادت اور فراہم کرنا بھی ان مدارس کی ذمہ داری ہے۔ ایسے لوگوں کو تیار کرنے کے لیے یقیناً آٹھ سال کی مدت کافی ہے۔ جب کہ عام دینی ضرورتوں اور تقاضوں کے لیے آٹھ سالہ کورس میں بھی کمی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً"

۱۔ امام کے لیے علیحدہ کورس

۲۔ خطیب کے لیے کورس

۳۔ مبلغ، داعی اور مدرس کے لیے کورس

ایک ابتدائی مرحلہ دو سالہ جس میں عمومی علوم دینیہ پڑھائے جائیں۔ اس کے بعد تین سالہ یا چار سالہ کورس میں تخصص ہو۔

طلبہ میں تحقیقی صلاحیت کیوں پیدا نہیں ہوتی؟

دینی مدارس میں داخلہ ہونے والے طلبہ کی اکثریت ایسے لڑکوں پر مشتمل ہوتی ہے جو شعوری طور پر مدرسے میں داخلہ نہیں لیے ہوتے۔ کئی مجبوریوں' معاشی تنگی و مشکلات کی وجہ سے دینی مدارس کا رخ کرتے ہیں۔ اور ان میں اکثریت چھوٹی عمر کے طلبہ کی ہوتی ہے۔

داخلے کے لیے عمر اور تعلیم کی شرط لگا دی جائے تا کہ جو طالب علم یہ راستہ اختیار کرے' وہ فطری لگاؤ اور دلی رجحان رکھتا ہو اور پورے شعور کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھے اور وہ دین کو اور دینی تعلیم کو ایک مشنری جذبے کے ساتھ پڑھے نہ کہ معاشی ضرورت پوری کرنے کے لیے تا کہ معاشرے سے یہ تاثر ختم ہو کہ جس کو کوئی اور کام نہیں آتا یا کوئی کام نہیں ملتا' وہ دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔

عمر کی شرط اور تعلیمی اہلیت کی شرط سے معیار بلند کرنے میں مدد دے گی۔ گو اس سے مدارس میں طلبہ کی تعداد میں کمی واقع ہوگی' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ تعلیمی کورس اور تعلیمی مدت پوری کرنے کے بعد کوئی مثالی عالم پیدا نہیں ہوتا۔ ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ پیدا کرنے سے بہتر ہے کہ چند ایسے عالم پیدا کیے جائیں جو صحیح معنوں میں عالم دین کہلانے کے حقدار ہوں۔

یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب پڑھنے والا اخلاص اور مشنری جذبے سے پڑھے اور اس کی سوچ مادی نہ ہو۔ کیوں کہ ایسی سوچ رکھنے والا مدرسے کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کالج ویونیورسٹی کی ڈگری حاصل کر کے اعلیٰ ملازمت کے حصول میں لگ جاتا ہے۔

طلبہ میں تحقیقی ذہن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ علم الکلام سے ناواقف طلبہ کو جدید علم الکلام کی تعلیم دی جائے اور عقائد کی توضیح کے ساتھ سائینٹفک اور عقلی طریقہ استدلال استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

چونکہ طلبہ میں کسی بین الاقوامی مسئلہ اور مذاہب عالم کے موضوع پر گفتگو کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ بڑی جماعتوں میں مذاہب قدیم وجدید' عقلی مناہج' آداب حوار و مباحثہ ومناقشہ سکھانے کے لیے بھی نصاب مقرر کیا جائے۔

○ ابتدائی دو سال صرف عربی تعلیم کے لیے مختص کیے جائیں۔
○ ذخیرہ الفاظ، ضروری قواعد سے واقفیت، ان کی مشق کروائی جائے۔
○ طلبہ میں قوت بیان اور وسعت نظر پیدا کرنے کے لیے خطابت، انشاء اور ترجمہ کی مشق کے ساتھ ساتھ طلبہ میں انعامی مقابلے کروائے جائیں۔
○ مختلف تعلیمی سفر کروائے جائیں۔ علمی و ثقافتی مراکز، تاریخی مقامات کی سیر کروائی جائے۔
○ حالات حاضرہ سے واقفیت کے لیے جدید ذرائع ابلاغ سے ممکنہ حد تک استفادہ کیا جائے، مثلاً" دنیا کے بڑے بڑے مفکرین کے مختلف موضوعات پر ویڈیو لیکچرز سنائے جائیں۔

سیمینار کروائے جائیں

جدید علوم، نئے مسائل اور تازہ موضوعات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں مختلف مقالے پیش کیے جائیں۔ اس کا طریقہ یہ ہو۔

۱۔ موضوع کا تعین مثلاً" تجارت کا نظام، تقسیط (قسطوں پر خرید و فروخت کرنا) انشورنس، بنکاری نظام وغیرہ۔
۲۔ ایک خاص فکر کے لوگوں کے بجائے مختلف فکر کے لوگوں کو دعوت دی جائے۔
اس مسئلے میں وسعت نظر کا مظاہرہ کرتے ہوئے مخالف نقطہ نظر رکھنے والے شخص کو بھی اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا جائے تا کہ طلبہ اس کی باتیں سن کر تقابل کر سکیں اور وہ شخص بذات خود بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس موضوع پر گفتگو سن سکے۔
۳۔ مختلف مجلات اور رسائل کا مطالعہ کرنا۔ روزناموں (اخبارات) کا مطالعہ کرنا۔
۴۔ وقتاً" فوقتاً" طلبہ سے مختلف جدید موضوعات پر مضامین لکھوانا اور اس میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے انعامات دینا۔
۵۔ مدرسے میں ایک اچھی لائبریری کا قیام اور طلبہ کی رہنمائی کے لیے ایک ایسے مربی اور استاد کا ہونا جو ان کی رہنمائی کرے کہ کون سی کتابیں ان کے مطالعے کے لیے مفید ہیں۔
۶۔ غیر نصابی کتب کا مطالعہ کرنا۔ غیر نصابی کتابوں میں کون سی کتابیں مفید ہیں۔ کیونکہ صرف علمی اور درسی کتابیں پڑھنے سے طلبہ کے اندر علمی اور تحقیقی کام کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔

عصری علوم پڑھائے جانے کے باوجود

بعض اوقات عصری علوم پڑھائے جانے اور شامل نصاب کیے جانے کے باوجود طلبہ

میں مطلوبہ استعداد پیدا نہیں ہوتی جس طرح کی استعداد اور خود اعتمادی دنیاوی مدارس کے طلبہ میں ہوتی ہے۔ چونکہ دینی مدارس میں آنے والے طلبہ کی اکثریت نادار، غریب اور پسماندہ علاقوں سے ہوتی ہے جبکہ شہری علاقوں سے دینی مدارس میں آنے والے طلبہ کی تعداد تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایسے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ میں ذہنی پسماندگی اور پستی کا احساس نمایاں رہتا ہے۔ نتیجتاً وہ دین کو ذریعہ معاش بنا لیتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے تو پھر ایسی دینی تعلیم کا کیا فائدہ جو طلبہ کے اندر تبدیلی پیدا نہ کر سکے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی سوچ اور رویے میں تبدیلی، اخلاق و کردار میں بلندی کا تعلق نظام تعلیم اور تبدیلی نظام سے نہیں ہے بلکہ اس مقصد کے حصول کے لیے ایسے استاد اور مربی کی ضرورت ہے جو طلبہ کے اندر تبدیلی پیدا کر دے اور وہ دین اور دعوت دین کو بطور پیشہ نہ اپنائے بلکہ اس کو ایک مشن اور ایک فریضہ سمجھ کر اس میدان میں اترے اور اس میدان میں پیش آنے والی ہر تنگی اور مشکل پر صبر کرے۔ تب وہ ایک مثالی داعی، صحیح مبلغ دین کا کردار ادا کر سکتا ہے۔ ایسے افراد سے کسی عظیم کام اور انقلاب کی توقع کی جا سکتی ہے۔ صرف تبدیلی نصاب سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں آدمی، آدمی بناتے ہیں
(اکبر)

ورنہ جس قدر سہولتیں اور حصول تعلیم کے بہترین مواقع آج ہیں، اس سے پہلے قدیم زمانے میں نہ تھے۔ اس کی سب سے عمدہ مثال اصحاب صفہ کی ہے۔ نبی علیہ السلام نے ان میں علم و عمل کی اہمیت کو اجاگر کر دیا۔ اور یہی جماعت روئے زمین پر بننے والی پہلی اسلامی سلطنت کے وزیر و مشیر اور جنرل بنے۔

وحدت نظام تعلیم

ایک صدی سے دینی مدارس میں قدیم و جدید کے امتزاج یا وحدت نظام تعلیم کی کوشش ہو رہی ہیں اور بہت سے مدارس میں تجرباتی طور پر یہ نظام رائج کیا گیا اور اس کے حوصلہ افزا نتائج نکلے مگر اس کا زیادہ تر نقصان دینی مدارس کے تشخص پر پڑا اور متوقع معیار کے علماء پیدا نہ ہوئے جب کہ علماء کا میدان خاص ہے۔

بہتر یہ ہے کہ جن دینی مدارس میں عصری علوم کو پڑھانے کا اعلیٰ انتظام ہے اور ان کا معیار تعلیم سکول و کالج کے برابر ہے، ان مدارس میں عصری علوم کی تعلیم کا سلسلہ جاری

رکھا جائے۔ مگر وہ مدارس جن میں علوم عصریہ پڑھانے کا معقول بندوبست نہیں، ان مدارس کے طلبہ کو یکسوئی کے ساتھ دینی علوم حاصل کرنے کا موقع دیا جائے۔ ان میں سے اگر کوئی طالب علم عصری علوم پڑھنا چاہتا ہے تو وہ محدود مدت کے کورسز میں داخلہ لے کر یہ کمی پوری کر لے۔

فراغت کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے عرب ممالک کی جامعات میں داخلے کی کوشش مستحسن اقدام ہے۔ طلبہ کو مختلف نصاب، مناہج اور اسالیب تعلیم سے واسطہ پڑتا ہے۔ طریقہ تدریس مختلف ہونے کی وجہ سے مزید استفادے کا موقعہ ملتا ہے۔ ان حاصل کردہ مفید معلومات کی روشنی میں یہاں کے مدارس میں نصاب تعلیم کو جدید خطوط اور مناہج تعلیم کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے اور اس میں مفید تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں۔

برصغیر میں حالات و واقعات کی تبدیلی کے تناظر میں دینی مدارس کی اصلاح، نظام تعلیم اور تبدیلی نصاب کی طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ اگر اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور نہ کیا گیا اور مثبت تبدیلیوں کے لیے مناسب اقدامات نہ کیے گئے تو عین ممکن ہے کہ دینی مدارس اس تیز رفتار ترقی اور بدلتے ہوئے حالات و واقعات کا مقابلہ نہ کر سکیں اور بہت سے دوسرے ممالک کی طرح برصغیر میں بھی مدارس کا وجود موجودہ شکل میں برقرار رکھنا مشکل ہو جائے۔

معیاری علماء کے پیدا نہ ہونے کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب

۱۔ روحانی تعلیم کی کمی۔

۲۔ تزکیہ نفس پر خصوصی توجہ کا نہ ہونا یا اس کا غیر اہم سمجھنا۔

موجودہ علمی انحطاط اور قحط الرجال کے دور میں بھی آپ کو بہت سے ایسے مدرس، عالم دین، خطیب اور امام مل جائیں گے جو اپنی اپنی جگہ فن کے لحاظ سے بڑے ماہر ہوتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام تقاضے پورے کر رہے ہوتے ہیں۔ اور ایسے علماء بھی موجود ہیں جو آپ کے جملہ سوالات و اعتراضات کا تسلی بخش اور مسکت جواب دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں آپ کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ مگر اس مطلوبہ معیار پر پورا اترنے کے باوجود سامعین یا مخاطبین پر نہ تو ان کی گفتگو کا کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ ان میں اندرونی و بیرونی طور پر کوئی انقلاب ہی برپا ہوتا ہے۔ اس کی مثال بعض اسلامی ممالک میں آپ کو بہت سے ایسے ماہر تعلیم استاد و مدرس ملیں گے جو مختلف فنون میں مہارت تامہ

رکھتے ہیں مگر ان کی ذات، شخصیت روحانیت سے خالی ہونے کی وجہ سے ان کو دیکھ کر ذہن میں کسی عالم دین کا تصور تک نہیں آتا ہے۔ اور ان کی عملی زندگی ان کی بہترین گفتگو، مربوط لیکچر اور وعظ کے بالکل برعکس اور خلاف ہوتی ہے اور ان کے شب وروز کے افعال و اعمال سے ان نظریات اور عقائد کی سراسر نفی ہوتی ہے جن افکار و نظریات کو مسند استاد پر بیٹھ کر بیان کرتے ہیں۔

آج آپ کو شاندار نظام تعلیم اور معیاری نصاب تعلیم سے آراستہ بہترین درس گاہیں اور عالی شان عمارتیں مل جائیں گی۔ مگر ان میں ابن تیمیہؒ ابن قیمؒ امام غزالیؒ ابن کثیرؒ اور ابن حجرؒ شاہ ولی اللہؒ نواب صدیق حسنؒ سید نذیر حسین دہلویؒ جیسی نامور علمی ہستیاں پیدا نہ ہو سکیں۔ قدیم اور جدید دور کے علماء میں نمایاں فرق نظر آئے گا، وہاں ہمیں روحانیت، تزکیہ نفس کا اہتمام بھی نظر آتا ہے اور یہاں فقط عالی شان بلند و بالا عمارتیں اور بہترین مرتب نصاب تعلیم۔

اختلافی مسائل ------ صحیح رہنمائی

قدیم فقہاء کے ارشادات و تفصیلات پر قناعت کرنے سے فقہی مسائل میں بصیرت پیدا نہیں ہوتی۔ اس لیے جدید اضافوں و اجتہادات کی ضرورت ہے۔ اس جدید اضافے کے بغیر قدیم نصاب (مقررات) عبادات کے مسائل و احکام میں مفید ہونے کے باوجود دیگر مسائل میں غیر مفید اور ناقص ہے۔

چونکہ ہمارے ملک کی اکثریت مسلکاً فقہ حنفی سے تعلق رکھتی ہے، لوگوں کو فقہ کا علم ہو یا نہ ہو، وہ مسائل سے واقف ہوں یا نہ ہوں، ان کا عمل عموماً فقہ حنفی کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں کے مدارس میں فقہ حنفی کی باقاعدہ تعلیم مفید ہے۔ تاکہ علماء کے لیے عام آدمی کو فقہ السنہ اور فقہ حنفی میں تقابل کر کے مسائل سمجھانے میں آسانی ہو۔

اختلافی مسائل کی تعلیم اور ان پر سیر حاصل بحث کے بعد اگر ایک طالب علم کی صحیح رہنمائی کر دی جائے اور اس کو یہ بات ذہن نشین کروا دی جائے کہ کس طرح اس مفید ہتھیار کو بوقت ضرورت استعمال کرنا ہے۔ اختلافی مسائل پر دلائل کو کب اور کن حالات میں استعمال میں لانا ہے۔ اس کی افادیت اور اغراض ومقاصد کا تعین کر دیا جائے تو اس کے بہترین نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اس بات کی ضرورت کیوں؟

اگر آج کوئی دینی و فروعی مسائل کے وسیع تر مفہوم اور ان کی شرعی حیثیت کو ذہن میں رکھتا ہو اور اسلام کی خدمت کے سچے جذبے سے سرشار ہو اور وہ اختلافی مسائل پر بحث و مباحثہ کو نقصان دہ سمجھتا ہو تو اس کا یہ جذبہ اور درد قابل قدر ہے مگر یہ سوچ تو یک طرفہ ہے اور ایک فریق یا ایک شخص کے نیک جذبات ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے فریق ثانی کی طرف سے جب لوگوں میں کتاب وسنت اور خاص طور پر حدیث کے بارے میں غلط قسم کے شکوک و شبہات پھیلائے جاتے ہوں اور عالمین بالحدیث والسنہ کے بارے میں نفرت کا اظہار کیا جاتا ہو تو ایسی صورت حال میں نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کو سنت نبویؐ کو زندہ کرنے اور حدیث کی حفاظت کے لیے دفاع کرنا ہوگا۔ بلکہ بعض اوقات یہ کام فرض ہو جاتا ہے تو ایسی صورت حال میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اختلافی مسائل کو افہام و تفہیم کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے اور اس کو ذاتی بے عزتی، ہار جیت اور انا کا مسئلہ نہ بنایا جائے۔

خاص طور پر وہ مسائل جن میں قدیم زمانہ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد پر کسی مسئلہ پر عمل پیرا اور عمل نہ کرنے والے شخص معین کے بارے میں حکم لگنا، فتویٰ لگانا اور نازیبا الفاظ کا استعمال نامناسب اور ناپسندیدہ فعل ہے۔ سلف کے ہاں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اختلافات میں شدت کی بناء پر ایک دوسرے کے عمل کو باطل اور کفر گردانے سے پرہیز ضروری ہے۔

فقہ کی تعلیم کیسے اور کس حد تک ہونی چاہیے؟

فقہی بصیرت پیدا کرنے کے لیے فقہی مقررات (منتخب نصاب) کے ساتھ اصول الفقہ، قواعد فقہیہ، تاریخ فقہ اسلامی، اسباب اختلاف فقہاء "الاوضاع التشریعیۃ فی العالم الاسلامی" عقود وملکیت کے متعلقہ قوانین، بین الاقوامی قوانین کا مطالعہ، فقہ الدولہ (نظام حکومت) جدید اصطلاحات سے مطابقت پیدا کر کے فقہ کو جدید بنایا جائے۔

اس کے لیے عائلی قوانین (پرسنل لاء) حدود و تعزیرات، قصاص و دیت کے قانون کو آج کل کی اصطلاحات کی روشنی میں سمجھا جائے۔ ان کی تعریفیں، مفاہیم اور معانی کی جدید الفاظ سے تشریح و توضیح کی جائے۔ اس طرح "فقہ السنہ" کے بارے میں لوگوں کا تصور واضح ہوگا اور فقہ اور فقہی مسائل جتنے قدیم زمانے میں مفید تھے، اتنے ہی آج بھی مفید، قابل عمل اور قابل استفادہ ہیں۔

فقہ کے مقررات

خواہ فقہ حنفی ہو، فقہ السنہ، فقہ المذاہب ان کے مقررات پڑھائے جائیں۔

چونکہ دعوت دین کا کام کرنے والے کے مخاطبین تمام طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے دینی علوم میں مہارت کے ساتھ علوم عصریہ، معلومات عامہ سے مناسب واقفیت ضروری ہے۔

آج کا مسلمان دین کے بارے میں بدظن ہو چکا ہے۔ وہ دین کو ایمانیات اور عقائد کی بحثوں سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ اجتماعی معاملات میں اس کی مداخلت قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔

ہمارے نزدیک مغربی یلغار کے مقابلے سے علماء اسلام کی اس بے اعتنائی اور بے پروائی کی بنیادی وجہ دینی مدارس کا نصاب تعلیم ہے۔ ان کو فقہ حنفی تو خوب پڑھائی جاتی ہے لیکن دوسری فقہوں کی تدریس کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ وہ بھی اسلامی فقہ ہی کا حصہ ہے۔

حدود وتعزیرات کے بارے میں اعتراضات وسوالات سے واقفیت ضروری ہے۔ آج کل عقائد وایمانیات کے بجائے قوانین وشرائع کو ہدف تنقید بنایا جا رہا ہے۔ پچھلے پچاس سال میں معاشرت، معیشت، سیاست، حدود وتعزیرات، غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کے نقطہ نظر کو ہدف تنقید بنایا جا رہا ہے۔ تعدد ازدواج، طلاق، غلامی، مساوات مرد وزن، سود، انشورنس، سٹہ بازی، جمہوریت، بنیادی حقوق، سزاؤں اور بے شمار دوسرے معاملات پر اسلام کے نقطہ ہائے نظر کو غلط قرار دینے کی کوشش کی گئی۔

ان تمام مسائل کے بارے میں فقہ کے قدیم کی روشنی میں جدید اصطلاحات کا اضافہ ضروری ہے۔

(بہ شکریہ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور)